انتظار حسین کے افسانوں میں مابعدالطبیعیاتی عناصر

ڈاکٹر فریحہ نگہت☆

Abstract

Intizar Hussain is an eminent and unique writer of Urdu Short Stories. His short stories are a good blend of story, daastan, symbol, past and present, research and analytical approach, philosophical and mystical thought process, concept of life and universe, Islamic and Hindi mythology etc. His short stories have deep roots and close creative bondage with metaphysical elements. This article is an attempt to highlight the contours of Intizar Hussain's multi facets of metaphysical elements used in his short stories.

انتظار حسین ایک منفرد اور نمایاں افسانہ نگار ہیں جنہوں نے کہانی، افسانہ، داستان اور علامت تک کا سفر مطالعہ و جستجو، تجزیے اور قدیم و جدید تجربے کے امتزاج سے طے کیا ہے۔ یہی دریافت کا سفر ہے اور انتظار حسین کا فن انہی سنگ ہائے میل سے گزر کر آج تک پہنچا ہے۔ انتظار حسین کے ہاں سماجی و ارضی سطح سے ماورا ہو کر مابعدالطبیعیاتی بلندیوں کو چھونے کی قوت موجود ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں متصوفانہ و فلسفیانہ جستجو کرتے نظر آتے ہیں اور افسانوں کی بنت کاری میں آسمانی صحائف، قدیم عہدناموں، انجیل، قصص الانبیاء، بودھ جاتکا، دیومالا، داستانوں، پرانوں، حکایات، مذہبی روایتوں، قدیم اساطیر اور صوفیائے کرام کے ملفوظات سے استفادہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر

☆ پرنسپل گورنمنٹ کالج برائے خواتین ڈھوک الٰہی بخش، راولپنڈی

گوپی چند نارنگ بھی اسی خیال کی تائید کرتے ہیں:

> انتظار حسین کا فن اپنی قوت ان تمام سرچشموں سے حاصل کرتا ہے جو تہذیبی روایات کا منبع ہیں یعنی یادیں، خواب، انبیاء کے قصے، دیومالا، توہمات، ایک پوری قوم کا اجتماعی مزاج اور اس کا کردار اور اس کی شخصیت، انتظار حسین کے شعور و احساس کے ذریعے ایک گم شدہ دنیا اچانک پھر سے اپنے خدوخال کے ساتھ نکھر کر سامنے آجاتی ہے اور از سر نو بامعنی بن جاتی ہے۔(۱)

انتظار حسین کے افسانوں میں داستانوی انداز ایک نیا شعور، احساس اور آگہی پیدا کرتا ہے جس سے افسانے میں نیا فلسفیانہ مزاج، نئی اساطیری اور مابعد الطبیعیاتی جہتیں آشکارہ ہوتی ہیں۔ وہ فرد اور سماج کے باہمی رشتے، حیات وکائنات کے مسائل اور وجود کی نوعیت وماہیت جیسے مابعد الطبیعیاتی سوالات کو شعوری اور لاشعوری دونوں سطحوں پر دیکھتے ہیں۔ وہ انسانی بطون میں اتر کر اس افسردگی، بے چینی اور کشمکش کا کھوج لگاتے ہیں جو موجودہ دور کا المیہ ہے پھر انہیں استعاروں، علامتوں اور حکایتوں میں ملفوف کر کے بیان کرتے ہیں اس سلسلے میں عہد نامہ عتیق، اساطیر اور دیومالا ان کے بہترین ماخذ ہیں۔ انتظار حسین کے ابتدائی افسانوں میں ماضی کی بازیافت کا عنصر غالب ہے۔ اس کے بیان کے لیے انہوں نے اردو افسانے کا رشتہ داستان، کتھا اور کہانی سے ایک مرتبہ پھر جوڑ دیا ہے۔ زاہد نوید کا خیال ہے کہ: ''کہانی کی طرف مراجعت کا پہلا قدم انتظار حسین نے ہی اٹھایا اور اسلوبیاتی سطح پر داستان ادب کی طرف مائل ہوئے اور یوں اردو افسانہ کا ناطہ کتھا کہانی اور داستان سے جوڑ دیا''۔(۲)

انتظار حسین کا ہر مجموعہ اپنی الگ نوعیت کے حامل افسانوں پر مشتمل ہے۔ 'گلی کوچے' میں اپنوں اور تہذیب کے بچھڑنے کا غم ہے۔ 'کنکری' میں ماضی کی بازیافت اور یادوں کا ایک سلسلہ ہے۔ 'آخری آدمی' اور 'شہر افسوس' میں پرانا عہد نیا سوال بن کر ابھرتا ہے۔ 'کچھوے' اور 'خیمے سے دور' میں دانش پارینہ کا اظہار کتھا سرت ساگر کے انداز میں کیا گیا ہے۔ انتظار حسین کی کہانی کو کئی نام دیئے گئے ہیں۔ ڈاکٹر احسن فاروقی نے ان کی کہانی کو 'تمثیلیت' کہا ہے جب کہ خود انتظار حسین اپنے افسانوں کو جاتک کہانی کہتے ہیں: ''میں جاتک کہانی لکھتا ہوں۔ یہ نئی ہے یا پرانی، پتہ نہیں''۔(۳)

انتظار حسین کے افسانے کبھی علامت، کبھی تمثیلیت اور کبھی اشاریت کے زمرے میں آتے ہیں مگر یہ جو بھی ہوں ان کا مطمع نظر پرانی کہانیوں کو نیا پیرایہ اظہار اور نئے معانی عطا کرنا ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی بھی انتظار حسین کے افسانوں کو تمثیلی انداز کا حامل قرار دیتے ہیں: ''انتظار حسین کے افسانے علامتی سے زیادہ تمثیلی یعنی Allegorical ہیں''۔(۴) انتظار حسین کے افسانوں میں نفسیاتی، ہندوستانی دیو مالائی، مابعد الطبیعیاتی اور اساطیری روایتوں کے حامل موضوعات ہیں ان کے علاوہ انسانی وجود کی تلاش، سیاسی وسماجی حالات پر طنز، ماضی کی یادوں، تہذیبی اور معاشرتی رشتوں کے ادراک کے موضوعات بھی ان کے افسانوں میں ملتے ہیں۔ انتظار حسین کے موضوعات میں سے جو موضوع ان کی شناخت بنتا ہے وہ یہی 'ماضی کی بازیافت' ہے جس کا بنیادی تجربہ ہجرت ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا، انتظار حسین کے افسانوں میں اس موضوع کے متعلق کہتے ہیں:

> انتظار حسین کے اکثر افسانوں میں یادوں کا یہ عنصر بہت نمایاں ہے۔ مگر انتظار حسین محض چند شخصی سطح کی یادوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس نے پیچھے ہٹ کر نسلی یادوں تک بھی رسائی حاصل کی ہے اور قدیم اساطیر کے آئینے میں موجودہ ماحول اور اس کے کرداروں کو چلتے پھرتے دیکھا ہے۔(۵)

انتظار حسین نے قدیم اساطیر سے افسانوں کی بنت کی ہے۔ ان کے ہاں دو قسم کی اساطیر سے تخلیقی رشتہ جڑتا نظر آتا ہے جن میں ایک اسلامی اساطیر اور دوسری ہندی اساطیر ہے، اسلامی اساطیر میں آسمانی صحائف، صوفیاء کے ملفوظات، انسانی توہمات، لوک روایات، شیعی عقائد کے تصورات قرآن کی روایات وقصص، عرب وعجم کے رسم ورواج، داستانوں کے واقعات وغیرہ شامل ہیں۔ انتظار حسین کئی مذاہب کے قصص واساطیر سے افسانوں کی بنت کرتے ہیں۔ ان کی مابعد الطبیعیاتی جہات کئی زمینوں، کئی زمانوں اور کئی مذاہب سے ہوتی ہوئی بالآخر بودھ جاتک سے جا ملتی ہیں۔ انتظار حسین مذہبی تلمیحات کے استعمال سے بھی معانی میں تہہ داری پیدا کرتے ہیں۔ مذہبی تلمیحات کا یہ استعمال افسانوں میں دوہری معنویت پیدا کرتا ہے۔ مہدی جعفر لکھتے ہیں: ''انتظار حسین کی تلمیحیں زیادہ تر static ہوتی ہیں اور ایک جہان معنی سمو لیتی ہیں''۔(۶) انتظار حسین کے ہاں پرانی تہذیبی علامتوں کا استعمال نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر انیس ناگی کے خیال میں:

> انتظار حسین نے پرانی تہذیبی علامتوں کو باز آفرینی کے ذریعہ موجودہ سیاق و سباق سے پیوست کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی علامتیں جانی پہچانی ہوتی ہوئیں بھی معنوی سطح پر اپنی اصل شناخت سے گریز کر جاتی ہیں۔(۷)

انتظار حسین کا اسلوب علامتی طرز اور تلازمہ خیال کے اشتراک سے بنتا ہے۔ ان کی زبان پرانے عہدناموں اور داستانوں کے اسلوب کی یاد دلاتی ہے۔ گوپی چند نارنگ کے خیال میں: ''یہ صرف داستان کے اسلوب ہی کی تجدید نہیں بلکہ کتھا کی ہزاروں سال پرانی روایت کی تجدید بھی ہے۔''(۸) انتظار حسین کے افسانے کلاسیک کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے نئے اسالیب وضع کیے، ہیئت اور موضوعات میں نت نئے تجربات کیے اسی بنا پر انتظار حسین کا فن اردو افسانہ نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انتظار حسین کے بیشتر افسانوں میں مابعد الطبیعیات کے ساتھ تخلیقی رشتہ بنتا ہوا نظر آتا ہے۔

انتظار حسین کے افسانے 'آخری آدمی' میں مابعد الطبیعیاتی جہتیں بڑی واضح ہیں۔ اس میں انہوں نے صحائف، حکایات اور روایات سے مختلف اجزاء و واقعات لے کر انہیں اپنے تمثیلی اور علامتی نظام کا حصہ بنایا ہے۔ 'آخری آدمی' انسانوں کے جون بدل کر بندر بن جانے کی کہانی ہے جو سبت کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور اپنے حرص و ہوس کی تسکین کرتے تھے۔ لالچ، خوف اور خود غرضی کے منفی جذبات کے باعث وہ اعلیٰ ترین انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر اتر آئے۔ یہ قصہ سورۃ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے اور یہی 'آخری آدمی' کی بنیاد بنا۔ قرآن میں بنی اسرائیل کے متعلق حکم الٰہی تھا کہ سبت Sabbath یعنی ہفتے کے دن عبادت اور آرام کیا جائے۔ سورۃ بقرہ کی آیات کا ترجمہ ہے: ''پھر تمہیں اپنی قوم کے ان لوگوں کا قصہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا تھا۔ ہم نے انہیں کہہ دیا کہ 'بندر بن جاؤ! اور اس حال میں رہو کہ ہر طرف سے تم پر دھتکار پڑے''۔(۹) جب کہ سورۃ الاعراف کی آیات میں ہے۔

> وہاں کے لوگ سبت کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے اور یہ کہ مچھلیاں سبت ہی کے دن سطح پر ابھر ابھر کر ان کے سامنے آتی تھیں..... پھر جب وہ پوری سرکشی کے ساتھ وہی کیے چلے گئے جس سے انہیں روکا گیا تھا تو ہم نے کہا 'بندر ہو جاؤ! ذلیل اور خوار!'۔(۱۰)

'آخری آدمی' انسانی وجود کے روحانی و باطنی زوال کی کہانی ہے جس میں الیاسف کا روحانی زوال بالآخر اس کے وجود میں سرایت کر جاتا ہے اور اس کی جون بدل جاتی ہے۔ یہ انسانی جبلت کی داستان بھی ہے جو انسان کو ہمہ وقت مزاحمت اور انحراف پر اکساتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر قاضی عابد اس بارے میں کہتے ہیں: ''آخری آدمی انسان کے داخل اور باطن کے ایسے زوال کی کہانی ہے جو پھیلتے پھیلتے انسان کے خارجی وجود کو بھی مسخ کر دیتا ہے۔ یہ اسطورہ قرآن مجید اور بائبل سے لی گئی ہے''۔(۱۱)

'الیاسف' وہ آخری آدمی ہے جو حکم عدولی کا مرتکب ہو کر بالآخر بندر کی جون بدل لیتا ہے۔ وہ اپنے دل و دماغ میں ابھرنے والے منفی جذبات کو دبانے کی انتھک سعی کرتا ہے مگر ناکام رہتا ہے۔ 'الیاسف' اپنے آپ کو بستی کا انتہائی زیرک مرد تصور کرتا ہے مگر وہ مکارترین ثابت ہوا اور اس نے مچھلیاں پکڑنے کا نیا طریق اختیار کیا کہ مبادا اس پر خدا راضی رہے۔ آخر کار اسے اس جرم کی سزا ملی اور وہ بھی بندر بن گیا۔ الیعذر، الیاب، ابن زبلون اور پھر اس کی محبوبہ بنت الاخضر سب اس عذاب کا شکار ہوئے تھے۔ وہ اپنی محبوبہ کو چھوڑ کر جنگل میں نکل گیا مگر وہاں بھی اسے بھلا نہ سکا اور اب جب خود بھی جرم کا مرتکب ٹھہرا اور اس کی جون بھی بدل گئی وہ ہر ایک سے پوچھتا پھرا کہ کیا اس کی بھی جون بدل گئی ہے مگر کوئی انسان ہوتا تو اسے بتاتا کہ وہ اب انسان ہے یا بندر۔

> جب صبح کو جاگا تو اس کا سارا بدن دکھتا تھا اور ریڑھ کی ہڈی درد کرتی تھی۔ اس نے اپنے بگڑے اعضا پر نظر کی کہ اس وقت کچھ زیادہ بگڑے بگڑے نظر آ رہے تھے۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سوچا کہ میں، میں ہی ہوں؟ اور اس آن اسے خیال آیا کہ کاش بستی میں کوئی ایک انسان ہوتا کہ اسے بتا سکتا کہ وہ کس جون میں ہے۔(۱۲)

الیاسف کے بندر بن جانے کی دو وجوہات ہیں ایک ذاتی کہ اس نے خدا سے مکر کیا اور دوسری معاشرتی کہ اس نے لفظوں کی قدر نہ جانی اور وہ شخص جو انہیں سبت کے روز مچھلیاں پکڑنے سے باز رہنے کی تلقین کرتا تھا وہ بھی غائب ہو گیا۔ لالچ، مکر فریب، انسان کی داخلی سطح پر اور احکام الٰہی سے حکم عدولی انسان کو آفاقی سطح پر انسانی شکست کی داستان سناتے ہیں۔ انسان جو اشرف المخلوقات تھا اس حکم عدولی کی سزا میں بندر بن گیا۔ 'آخری آدمی' میں عہد نامہ قدیم سے مستعار زبان ہے جو اس کی اساطیری جہتوں کی

نشاندہی کرتی ہے۔ اس پورے واقعہ کو ایسے علامتی پیکر میں ڈھالا گیا ہے کہ اس کی علامتیں معکوس تلمیحات اور اسطوری کیفیات کے ساتھ ایک نئے جہانِ معنی کی تخلیق کرتی ہیں۔ اس افسانے میں قرآنی اسلوب اور قدیم عرب کے بلیغ اشارے بھی ملتے ہیں۔'آخری آدمی' میں انتظار حسین نے اسطوری علائم سے عہد جدید کے اخلاقی زوال کو بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے لفظوں میں: ''آخری آدمی میں اساطیری علامتوں کو دورِ حاضر کے اخلاقی زوال کی داستان بیان کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے''۔(۱۴)

مختصراً 'آخری آدمی' میں قرآنی قصے سے علامتی اور تمثیلی پیرائیہ اظہار اختیار کیا گیا ہے۔قلب ماہیت یہاں سزا کے انداز میں انسان سے بندر بن جانے کے طور پر نظر آتی ہے۔ یہ افسانہ زمان ومکاں سے ماوراء ہے اور ازل سے ابد تک انسانی زوال اور انسان کی نفسانی خواہشات پر گرفت نہ ہونے کی داستان سناتا ہے۔ یہ تمام عوامل مل کر افسانے کی مابعد الطبیعیاتی جہتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

'زرد کتا' مابعد الطبیعیاتی انداز کا افسانہ ہے کیونکہ اس میں صوفیاء کے روحانی زوال کو موضوع بنایا گیا ہے۔'زرد کتا' یہاں علامت ہے نفس امارہ کی جو باحیا و باوقار انسان کو بھی قبیح ورزیل بناڈالتا ہے۔ افسانے کا موضوع روحانی زوال وانحطاط ہے کہ انسان خواہ وہ صوفیا یا بزرگان دین میں سے ہو کس طرح زرواقتدار، سماجی مراتب، جاہ وجلال، کشش جنسی اور نفسانی خواہش کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے۔ وہ اعلیٰ اخلاقی وروحانی اقدار کو فراموش کر دیتا ہے۔'زرد کتا' میں اصحاب کہف کے اثرات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔'زرد کتا' میں نفس امارہ لومڑی کے بچے کی شکل میں آدمی کی ذات سے باہر آتا ہے۔'زرد کتا' نفس انسانی کی خارجی شکل ہے اسے جتنا دور بھگانے کی کوشش کریں یہ اتنا ہی بڑا ہوتا جاتا ہے اور قریب آتا جاتا ہے۔ افسانہ نگار نے زرد کتے کو نفس قرار دیا ہے۔ یہ شیخ کبوتر اور ان کے چھ مریدوں پر مشتمل قصہ ہے۔ ان چھ مریدوں میں سے پانچ متاع فقر کو دنیاوی آسائشوں پر قربان کر دیتے ہیں۔ مگر ایک مرید جو مزاحمت کرتا رہا اسے بھی عورت، جنسی کشش، رقص اور گھنگروں کی آوازوں نے نفس کا تابع کر دیا اور لومڑی کا بچہ جو کہ نفس انسانی کی علامت، ہے اس کے منہ سے باہر نکل آیا اور جس قدر وہ اسے دباتا اور پاؤں تلے کچلتا وہ اسی قدر بڑا ہوتا گیا۔کہانی میں دنیاوی خواہشات کا اسیر ہونے میں 'ہاتھ' ان کا ساتھی

بنتا ہے۔ شیخ ابو سعید کا ہاتھ 'سوالی' بن جاتا ہے اس لیے کٹ جاتا ہے۔ احمد حجری جیسا برگزیدہ شاعر لفظ سے ناطہ اس لیے توڑ دیتا ہے کہ ہر شخص خاقانی اور انوری بننے لگتا ہے۔ شیخ عثمان کبوتر جو برگزیدہ ہستی اور ولی بزرگ تھے اور ان کی شخصیت بہت سے مابعد الطبیعیاتی پہلوؤں کی نشاندہی کرتی تھی۔ وہ شیخ عثمان کبوتر اس لیے مشہور تھے کہ وہ کبوتر اور پرندوں کی طرح اڑ سکتے تھے۔ وہ باطنی اسرار و رموز سے واقف تھے۔

> شیخ عثمان عالم سفلی سے بلند ہو گئے تھے اور ذکر کرتے کرتے اڑتے، کبھی اتنا اونچا اڑتے کہ فضا میں کھو جاتے۔ شیخ کے مریدوں نے ان سے ایک دن پوچھا: "یا شیخ قوت پرواز آپ کو کیسے حاصل ہوئی؟ فرمایا: عثمان نے طمع دنیا سے منہ موڑ لیا اور پستی سے اوپر اٹھ گیا"۔ (۱۴)

افسانے میں ایک بادشاہ اور وزیر کی حکایت تمثیل کی صورت میں یوں ہے کہ جہاں سارے گدھے ہو جائیں وہاں کوئی گدھا نہیں رہتا اور جہاں سارے دانشمند ہوں وہاں کوئی دانشمند نہیں رہتا۔ شیخ کا وصال ہو جاتا ہے اور راوی حجرے میں مقید ہو جاتا ہے۔ دنیاوی علائق سے رشتہ توڑ لیتا ہے۔ ایک طویل عرصے بعد جب حجرے سے نکلتا ہے تو دنیا ہی بدل چکی ہوتی ہے۔ سید رضی گھر بنا لیتے ہیں۔ ابو مسلم بغدادی قاضی شہر کی حویلی میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ شیخ حمزہ بھی حویلی بنا لیتے ہیں۔ ابو جعفر شیرازی جوہری بن جاتے ہیں۔ پھر جب وہ شیخ کبوتر کے مزار پر جاتے ہیں تو وہاں بھی عجب منظر ہے لوگ سونے چاندی کے چڑھاوے چڑھا رہے ہیں جو بعد میں چاروں مریدوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ابو قاسم یہ سب کچھ دیکھتا ہے مگر آہستہ آہستہ خود بھی ان برائیوں کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔ کیونکہ بدی جب کسی قوم اور معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو اس سے کسی ایک کا دامن بچانا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ ابو مسلم بغدادی، ابو قاسم کو کھانے پر مدعو کرتے ہیں تو وہ انہیں صرف ٹھنڈا پانی پینے پر اکتفا کرنے کو کہتے ہیں مگر پھر رفتہ رفتہ اس نیم برہنہ رقاصہ کے گھنگھروؤں کی جھنکار سے ان کے پوروں میں کن من ہونے لگتی ہے اور ان کے ہاتھ ان کے اختیار سے باہر ہونے لگے۔ جب وہ حجرے میں واپس گئے تو ایک بجلی سی شے تڑپ کر حلق سے باہر نکلی یہی زرد کتا تھا۔

موضوع کی مناسبت سے افسانے میں قدیم تذکروں اور صوفیاء کے ملفوظاتی ادب کا اسلوب برتا گیا ہے۔ رمز و علائم کا انداز اختیار کیا گیا ہے اور کتا، زرد رنگ، لومڑی کا بچہ جیسی علامتوں سے نئی معنویت پیدا کی گئی ہے۔ بزرگان دین کے قصص و واقعات کا بیان بھی افسانے کی فضا تعمیر کرتا ہے۔ افسانے کا پیرائیہ اظہار تمثیلی وعلامتی ہے۔ بقول ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر: ''موضوع کی مطابقت سے انتظار حسین نے اس افسانے میں صوفیا کے قدیم تذکروں اور ملفوظاتی ادب کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ کتا' زرد رنگ، لومڑی کا بچہ رمز وعلامت کے طور پر اس افسانے میں سامنے آتے ہیں''۔(۱۵)

'زرد کتا' میں چھوٹی چھوٹی حکایات وواقعات بزرگان دین کے ملفوظات، داستانوی زبان کا نیا تخلیقی استعمال، رتنا صائیں، کنیزیں، شیخ عثمان کا ہوا میں اڑنا، روحانی و اخلاقی بحران اور اس کے بعد تمثیلی انداز میں ایک بادشاہ اور وزیر کی حکایت کا بیان، راوی کا حجرے میں بند ہوجانا، ایک مدت بعد باہر نکلنا تو دنیا کو بدلا ہوا پانا، قصہ اصحاب کہف کے اثرات لیے مابعد الطبیعیاتی رنگ پیدا کرتے ہیں۔

'کایا کلپ' مابعد الطبیعیاتی فضا کا حامل افسانہ ہے۔ افسانے کے ہیرو شہزاد بخت کا مکھی بن جانا افسانے میں قلب ماہیت کی سی صورت پیدا کرتا ہے۔ 'کایا کلپ' کا بنیادی موضوع انسانی عظمت کا زوال ہے۔ افسانے کا موضوع معنوی سطحوں پر 'آخری آدمی' اور 'زرد کتا' سے ملتا جلتا ہے۔ خارجی خوف انسان کی روح میں سرایت کر کے اسے بشریت کے مقام سے گرادیتا ہے۔ افسانے کا اسلوب داستانوی ہے اور انتظار حسین نے داستانوی علامتوں کو نئے مفاہیم دینے کی شعوری کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر قاضی عابد اس افسانے کے متعلق لکھتے ہیں:

''کایا کلپ بھی 'آخری آدمی' اور 'زرد کتا' کی معنوی توسیع ہے۔ اس کا عنوان Ovid کے Metamorphosis اور کافکا کی کہانی کی یاد دلاتا ہے۔ انتظار حسین نے بھی 'کایا کلپ' کی اساطیری جہتوں کو داستان، دیو، شہزادے اور شہزادی کی وساطت سے دریافت کیا''۔(۱۶)

شہزادہ آزاد بخت ایک صبح مکھی کی جون میں اٹھتا ہے۔ جس پر شہزادی حیرت زدہ ہوتی ہے اور اپنا منتر پڑھتی ہے کہ شہزادہ اپنی اصل شکل میں واپس آجائے مگر اُس کا منتر کوئی اثر نہیں دکھاتا:

''شہزادہ آزاد بخت نے اس دن مکھی کی صورت میں صبح کی اور وہ ظلم کی صبح تھی کہ جو ظاہر تھا چھپ گیا اور جو چھپا ہوا تھا ظاہر ہو گیا اور جو جیسا تھا ویسا نکل آیا اور شہزادہ آزاد بخت مکھی بن گیا''۔(۱۷) 'کایا کلپ' میں انسان کا اخلاقی و روحانی انحطاط ہے جسے انتظار حسین نے تمثیلی و علامتی پیرائیہ میں بیان کیا ہے۔ انتظار حسین 'کایا کلپ' میں شہزادے کے باطن میں جھانک کر خوف و ہراس کے بڑھتے سایوں سے باطنی وظاہری دونوں دنیاؤں کے اسرار کھولتے ہیں۔ 'کایا کلپ' میں خوف کی بدولت جسم اور روح میں جو فاصلہ پیدا ہو گیا ہے انتظار حسین اس کی تجسیم کرتے ہوئے اسے مکھی کے روپ میں ظاہر کرتے ہیں۔ 'کایا کلپ' میں شہزادے کا مکھی کی جون بدلنا، شہزادی کا منتر پڑھنا، افسانے کی داستانوی فضا، علائم کا استعمال، جیسے عناصر افسانے کی مابعد الطبیعیاتی جہتوں کو واضح کرتے ہیں۔

'رات' میں یاجوج و ماجوج کی تمثیل سے کہانی کی بنت کی گئی ہے جو کہانی میں نئے مفاہیم پیدا کرتی ہے۔ انتظار حسین نے اس افسانے میں حکایتوں، واقعات، تماثیل اور خوابوں سے کام لیا ہے 'رات' میں بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر انسان کسی لایعنی کام کا عادی ہو جائے تو کیا وہ اس کے بغیر رہ سکتا ہے؟ یاجوج ماجوج جو ازل سے دیوار کو چاٹ رہے ہیں اور ابد تک چاٹتے رہیں گے اگر چہ یہ کام لایعنی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ زبان کا کام چاٹنا نہیں بلکہ بولنا ہے اس کے باوجود وہ دیوار کو چاٹتے رہتے ہیں کیونکہ جب وہ چاٹنا بند کر دیتے ہیں اور بولنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کی زبان پر کھجلی ہونے لگتی ہے اور زبان وہی کام کرنا چاہتی ہے جو وہ ازل سے کر رہی ہے۔ رات بھر وہ دیوار چاٹتے ہیں چونکہ صبح ہونے پر اس کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس لیے وہ یہ دعا کرتے ہیں: ''اے ہمارے رب! تیری بخشی ہوئی لمبی درد بھری رات ہمارے لیے بہت ہے صبح کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ اور اجالے کے فتنے کو دفع کر''۔(۱۸)

انتظار حسین افسانے کی ابتدا ایک حکایت سے کرتے ہیں جس میں وہ اس عامل اور ہمزاد کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں عامل نے اپنے ہمزاد کو کتے کے گھنگریالے بال سیدھا کرنے پر لگا دیا تھا وہ ہر وقت کتے کے گھنگریالے بال سیدھے کرتا وہ پھر گھنگھریالے ہو جاتے بالکل اسی طرح جیسے یاجوج ماجوج دیوار کو چاٹنے میں مصروف رہتے تھے۔ یاجوج ماجوج ساری رات دیوار چاٹتے یہاں تک کہ وہ پتلی ہو جاتی اور وہ

بہت خوش ہوتے کہ اب یہ دیوار ختم ہو جائے گی مگر پھر نیند ان پر غالب آ جاتی اور وہ سو جاتے:

> یاجوج ماجوج دونوں جیسے گھوڑے بیچ کر سوئے۔ آنکھ ان کی اسی وقت کھلی جب سر پہ سورج آ گیا اور انہوں نے کیا دیکھا کہ دیوار پھر اپنی ضخامت اور بلندی کے ساتھ ان کے سر پر کھڑی ہے یہ دیکھ کے ان غریبوں کا جی ڈھے گیا۔(۱۹)

انتظار حسین نے 'رات' میں اس نکتہ کی وضاحت بھی کی ہے کہ انسان پر جب اس کا نفس غالب آتا ہے تو پھر اس کی قوت ارادی دم توڑنے لگتی ہے اور وہ چاہتے ہوئے بھی وہ کام نہیں کر سکتا جو شعوری طور پر کرنا چاہتا ہے۔یاجوج ماجوج کی تمثیل نے افسانے میں دوہری معنویت پیدا کی ہے۔ قصص القرآن سے اخذ کی گئی یہ کہانی مابعد الطبیعیاتی رنگ لیے ہوئے ہے۔

'ہڈیوں کا ڈھانچ' مابعد الطبیعیاتی جہات کا حامل افسانہ ہے۔اس افسانے کی بنت حکایتوں، مافوق الفطرت واقعات اور خوابوں کی آمیزش سے ہے۔'ہڈیوں کا ڈھانچ' کا مرکزی نقطہ نظر پیٹ کی بھوک اور اشتہا ہے۔انتظار حسین اس افسانے میں ایک انسان کی بھوک کو اجتماعی بھوک کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ہڈیوں کا ڈھانچ میں قحط سے مر جانے والا ایک شخص ہے جو دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے۔اس میں بدروح بسیرا کر لیتی ہے۔ہڈیوں کا ڈھانچ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کھانے پر اس طرح ٹوٹتا ہے کہ دستر خواں سے کھانا ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کی صدیوں کی بھوک کسی طور نہیں مٹتی اور وہ پورے شہر کے کھانے کھا جاتا ہے۔شہر کے لوگ بھوکا رہنے لگتے ہیں حتیٰ کہ ایک عامل کا گزر ہوتا ہے اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچ کی بدروح کو نکالتا ہے اس طرح وہ دوبارہ مر جاتا ہے مرنے کے بعد زندہ ہونا اور پھر عامل کے عمل کرنے سے مر جانا مافوق الفطرت واقعات ہیں۔'ہڈیوں کا ڈھانچ' کی تطبیق انتظار حسین ایک لمبے تڑنگے سائیے پر کرتے ہیں جو چھپکلی اور سانپ بھی کھا جاتا ہے۔پھر بھی اس کی بھوک اور اشتہا کم نہیں ہوتی۔انتظار حسین ہوٹل میں بیٹھے ایک دوسرے شخص کو دیکھتے ہیں جو بے تحاشا کھانا کھا رہا ہے۔وہ قحط زدوں کی طرح کھانے پر ٹوٹا ہوا ہے۔اس انسان کا چہرہ لمبا ہوتا جاتا ہے اور جبڑے پھیلتے جاتے ہیں اسی ادھیڑ بن میں وہ اپنے آگے پڑا کھانا بھی شروع کر دیتے ہیں۔دفعتاً انتظار حسین جو خود مرکزی کردار بھی

ہیں ان پر یہ سوچ غالب آ جاتی ہے کہ وہ قحط زدہ، بے تحاشا کھانا کھانے والا ہڈیوں کا ڈھانچ کوئی اور تھایا وہ خود ہیں اور یہ بد روح انسان کے پیٹ میں بسیرا کرتی ہے یا دماغ میں یا شاید پیٹ یا دماغ ہی بد روح ہیں ۔انتظار حسین کا یہ افسانہ ضعیف الاعتقادی، توہمات اور مفروضوں پر مبنی ہے۔

'ہڈیوں کا ڈھانچ' کا مر کر دوبارہ جی اٹھنا، اس میں بد روح کا بسیرا کر لینا، شہر بھر کا کھانا کھا جانا، عامل کا آنا اور ہڈیوں کے ڈھانچ سے بد روح کو نکالنا، اس بد روح کا تطابق کالے سانپ سے کرنا جو سانپ تک کھا جاتا ہے۔بد روح کا نکل جانا اور ہڈیوں کا ڈھانچ جو ایک دفعہ پہلے مر چکا ہے دوبارہ مر جانا، مرکزی کردار کا ہوٹل میں دوسرے شخص کو بے تحاشا کھانے پر ہڈیوں کا ڈھانچ تصور کر لینا اور اس کے چہرے کا لمبا اور جبڑے کا پھیلتے جانا اور بالآخر خود بھی بے تحاشا کھانا کھانا اور یہ سوچنا کہ کہیں وہ خود ہی تو ہڈیوں کا ڈھانچ نہیں سب مابعد الطبیعیاتی عناصر ہیں جو افسانے کی بنت کاری میں کمال مہارت سے بیان کیے گئے ہیں۔

'کشتی' مابعد الطبیعیاتی طرز کی ایک اہم کہانی ہے جس کی بنت کاری میں انتظار حسین نے سامی، سمیری، بابلی، اسلامی، ہندوستانی روایتوں اور دیو مالائی حکایتوں سے کام لیا ہے بودھ جاتکوں اور ہندوستانی دیو مالا کو بھی افسانے کی تخلیق میں استعمال کیا گیا ہے۔انسانی سرشت اور بقائے انسانی جیسے زندگی کے بنیادی مسائل اس افسانے کا موضوع ہیں۔'کشتی' بھی تمثیل (allegory) ہے جسے انتظار حسین نے بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔'کشتی' میں اس نکتہ کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے کہ دنیا میں جب ظلم و ستم بڑھ جاتے ہیں تو تباہی و بربادی نوع انسانی کا مقدر بنتی ہے۔انتظار حسین نے اس افسانے میں قصص القرآن کے واقعات کو کہانی میں ڈھالا ہے۔قرآن پاک کے علاوہ عہد نامہ قدیم، توریت، ویدوں، پرانوں اور شاستروں سب کی مذہبی اساطیری روایتوں سے مدد لی گئی ہے۔'کشتی' میں سوار لوگوں کا اطلاق انتظار حسین کرہ ارض کے تمام بنی نوع انسانوں اور مقامات پر کرتے ہیں۔'کشتی' میں ہجرت کا شعوری احساس بھی ملتا ہے اور معاشرے کی گھٹن بھی۔ جانوروں کے ساتھ انسان سانس لینے پر مجبور ہے۔نجانے کب تک انسان اسی طرح مجبور رہے گا۔افسانے میں وقت کا تعین نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ مینہ کب سے برس رہا ہے کب تک برستا رہے گا اور یہ زمان و مکاں کی حد بندیوں سے ماوراء ہونے کی

صورت نظر آتی ہے۔ 'کشتی' میں ختم نہ ہونے والے سیلاب کے اشارے طوفانِ نوح کے علاوہ عتیق، اجمل گلگامش کی متھ میں بھی ملتے ہیں۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

ایک زبردست سیلاب کا ذکر دنیا کی تقریباً تمام مذہبی روایتوں میں ملتا ہے۔ غالباً ان کے اولین مآخذ Gilga Mesh گلگامش کی Myth اور انجیل کی روایتیں ہیں جہاں عہدنامہ عتیق Old Testament کی پہلی کتاب Genesis میں طوفان نوح کا ذکر آیا ہے۔ مہابھارت میں اس روایت کا ذکر ذرا مختلف طور پر آیا ہے۔(۴۰)

'کشتی' میں ہجرت کا عالمگیر تجربہ، مسلسل بارش اور سیلاب کی کیفیات، مختلف مذہبی اساطیر کی آمیزش اور تمثیلی وعلامتی انداز، افسانے کی مابعد الطبیعیاتی جہات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

'رات'، 'دیوار' اور 'وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے'، میں بھی تمثیل ہے۔ یہ قرآن اور بائبل میں یاجوج ماجوج کے قصے سے اخذ کی گئی کہانیاں ہیں۔ افسانہ 'ٹانگیں' میں روحانیت کی بلندیوں کو چھونے والے کردار کو معاشرے کے روحانی انحطاط و زوال کا شکار دکھایا گیا ہے۔ یہاں پچھل پائی عورت اور بکری کی ٹانگوں والے مرد ایسی علامتیں بن گئی ہیں جو روحانی پستی کا شکار ہیں۔ 'ٹانگیں' انسان کی روحانی و اخلاقی گراوٹ کی کہانی ہے۔ اس میں داتا دربار، کشف المحجوب اور فقیر مابعد الطبیعیاتی عناصر پیدا کرتے ہیں۔ افسانہ 'شہادت' وجود کی شناخت کھو بیٹھنے کی کہانی ہے۔ جب انسان روحانی و اخلاقی زوال کا شکار ہوجاتا ہے تو حق کی شہادت سے منکر ہوجاتا ہے اور جب وہ حق کی شہادت سے روگردانی کرتا ہے تو پھر وہ اپنا وجود اپنی شناخت بھی کھو بیٹھتا ہے 'وہ جو کھوئے گئے' ان لوگوں کی کہانی ہے جو اپنی تہذیب اور ماضی کی بازیافت میں کھوئے ہوئے ہیں۔

مجموعی طور پر انتظار حسین نے افسانوں کی بنت کاری میں ہندی و اسلامی اساطیر، داستانوی طرز، علامت وتجرید، تمثیل وحکایات، قدیم کہانیوں، دیومالا اور استعاروں سے کام لیا ہے۔ انہوں نے افسانوں میں آسمانی صحائف، قدیم عہدناموں، عہدنامہ عتیق، قرآن وانجیل، قصص الانبیاء، مذہبی

روایتوں، بودھ جاتکا، دیومالا پرانوں اور صوفیائے کرام کے ملفوظات سے مابعد الطبیعیاتی جہات پیدا کی ہیں۔ انتظار حسین کے افسانوں میں ایک ماورائی کیفیت ملتی ہے۔موضوعاتی سطح پر ان کے افسانوں میں ایک قسم کا ناسٹلجیا پایا جاتا ہے۔ انتظار حسین کے افسانے زندگی کی تہہ داریوں کو منکشف کرتے ہیں۔ ان کے منفرد علامتی نظام اور داستانوی پیرائیہ اظہار نے افسانے کے اسالیب میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔ وہ بات جو انتظار حسین کو دیگر افسانہ نگاروں سے ممیّز وممتاز کرتی ہے وہ یہ کہ انہوں نے افسانے کو اپنے منفرد اسلوب اور کہانی پن کی بدولت ایک مرتبہ پھر سننے سنانے کی چیز بنا ڈالا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو افسانہ، روایت اور مسائل، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۱ء، ص۵۴۰

(۲) زاہد نوید، کہانی افسانہ خیال کی اکائی، مشمولہ: ادبیات، سہ ماہی، شمارہ۲، جلد۲، مدیر، سید ضمیر جعفری، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص۲۹۰

(۳) انتظار حسین، تذکرہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۱۷۱

(۴) وہاب اشرفی، پروفیسر، آگہی کا منظر نامہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۲ء، ص۱۷۸

(۵) وزیر آغا، ڈاکٹر، نئے تناظر، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص۲۹

(۶) مہدی جعفر، اردو افسانے کے افق، مشمولہ: اوراق، ماہنامہ، خاص نمبر مئی جون، وزیر آغا، مدیر، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص۳۱۹

(۷) انیس ناگی، ڈاکٹر، تصورات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۴۸

(۸) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو افسانہ روایت اور مسائل، ص۵۲۳

(۹) قرآن مجید، سورۃ بقرہ، پارہ ۱، آیت نمبر ۶۵-۶۲، کنز الایمان ترجمۃ القرآن، مترجم امام احمد رضا خان بریلوی، پاک کمپنی، لاہور، ص۱۸

(۱۰) قرآن مجید، سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۱۶۶-۱۶۳، کنز الایمان ترجمۃ القرآن، ص۲۷۰

(۱۱) قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، شعبہ اردو، زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۲ء، ص۱۷۶

(۱۲) انتظار حسین، آخری آدمی، مشمولہ: آخری آدمی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۱۲

(۱۳) جمیل جالبی، ڈاکٹر، نئی تنقید، ص ۱۰۴ (۱۴) انتظار حسین، زرد کتا، آخری آدمی، ص ۲۹

(۱۵) اورنگ زیب عالمگیر، ڈاکٹر، انتظار حسین تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، سنگت پبلیشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۵۵،۵۴

(۱۶) قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، ص ۱۸۴

(۱۷) انتظار حسین، کایا کلپ، مشمولہ : آخری آدمی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۹۴

(۱۸) انتظار حسین، رات، مشمولہ : کچھوے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۵

(۱۹) انتظار حسین، رات، مشمولہ ؛ کچھوے، ص ۱۱۱

(۲۰) گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو افسانہ، روایت اور مسائل، ص ۵۶۹

کتابیات

۱۔ انتظار حسین، کچھوے، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۔ انتظار حسین، تذکرہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء

۳۔ انتظار حسین، آخری آدمی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء

۴۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، تصورات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۰ء

۵۔ امام احمد رضا خان، بریلوی، مترجم، قرآن مجید، کنز الایمان ترجمۃ القرآن، پاک کمپنی لاہور،

۶۔ اورنگ زیب عالمگیر، ڈاکٹر، انتظار حسین تحقیقی وتنقیدی مطالعہ، سنگت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء

۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، نئی تنقید، رائل بک کمپنی، کراچی ۱۹۸۵ء

۸۔ قاضی عابد، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور اساطیر، ملتان، ۲۰۰۲ء

۹۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، اردو افسانہ روایت اور مسائل، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۱ء

۱۰۔ وہاب اشرفی، پروفیسر، آگہی کا منظرنامہ، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۹۴ء

۱۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، نئے تناظر، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۱ء

رسائل

۱۔ ادبیات، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، شمارہ ۵،۶ جلد ۲، ۱۹۸۸ء

۲۔ اوراق، لاہور، مئی، ۱۹۸۳ء